AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد اور سماجی بہبود میں اس کا کردار
ریاست مدینہ کی روشنی میں ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

The Basic Objectives of the Islamic State and its Role in Social Welfare A Research and Analytical Study in the Light of the State of Medina

Noor Wali Khan
(Corresponding author)
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
Imperial College of Business Studies, Lahore
noorwali287@gmail.com
Dr. Javed Iqbal
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Imperial College of Business Studies, Lahore

Abstract:
The establishment of an Islamic state is not merely a matter of political order but a means of establishing a divine system of justice and welfare. The aim of the state is to free man from oppression, exploitation and deprivation and to establish a society based on justice, equality and moral superiority. The state of Medina, which the Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah be upon him) established in Medina, is the theoretical and practical model of the Islamic state. Some of its salient aspects were:
• Rule of law: All citizens, whether Muslims or non-Muslims, were equal before the law.
• Social Justice: A welfare system was established through institutions such as Zakat, Sadaqat, Baitul Mal, and the Brotherhood of Medina.
• Brotherhood and Equality: Brotherhood was demonstrated in practice between the Ansar and the Muhajireen.
• Minority Rights: The protection of the lives and property of non-Muslims was ensured through the Charter of Medina.
• Transparent Government: The ruler was made accountable and answerable to the subjects.
The Islamic state plays a direct role in every aspect of human welfare — economic, educational, health, and judicial justice.
• Economic Welfare: The system of Zakat, Ushr, Sadaqat, and Baitul Mal enables poverty reduction and equitable distribution of resources.
• Education and Training: The state promotes education as a fundamental right so that both knowledge and morality are strengthened.
• Social Justice: The rights of the weaker sections, orphans, widows, and the poor are guaranteed.
• Peace and Equality: Peace and justice are considered religious duties in the Islamic state.
The principles of the State of Medina are more comprehensive than today's modern welfare state models because they are based on spiritual and moral values.

The Islamic state aims not only for material well-being but also for spiritual and moral purification. If Islamic countries follow these principles in the modern era, it may be possible to eliminate poverty, corruption, and class discrimination.

انسان کی سرشت یہ ہے کہ وہ اکیلا رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ اجتماع میں رہنا پسند کرتا ہے گویا کہ اجتماع میں رہنا انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے اس خاصے کی وجہ سے انسان اجتماعیت پسند ہے اور روز اول سے ہی یہ انسان معاشرتی زندگی گزارتا ہے گویا معاشرتی زندگی ہی انسان کی بقا کی ضامن ہے اگر انسان معاشرے سے ہٹ کر زندگی گزارتا ہے تو اس انسان کو زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے قرآن مجید میں اسی سچائی کو آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت نے فرشتوں سے ان کی پیدائش اور نیابت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بات فرمائی۔

واذ قال ربك للملائكه اني جاعل في الارض خليفه[1]

ترجمہ: "اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں"

یعنی اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو منصب خلافت عطا فرمایا بے شک اسی منصب خلافت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اجتماعیت پرست ہے اجتماع میں رہنا اس کی مجبوری ہے کیونکہ انسان کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ اکیلے پوری نہیں کر سکتا، مثال کے طور پر انسان کو لباس کی ضرورت ہے، خوراک کی ضرورت ہے، مکان کی ضرورت ہے، علم شعور کی ضرورت ہے، ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ایک معاشرتی نظام ہونا چاہیے انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب انسان نے معاشرے میں رہنا شروع کیا، معاشرے میں رہتے رہتے ان کی ضروریات بدلتی گئی، ضروریات کے ساتھ ساتھ معاملات بنتے گئے، کبھی معاملات میں کمی بیشی ہوئی تو اس کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آگئی، ایسے میں معاشرتی زندگی کو سدھارنے کے لیے ایسے قوانین کا سہارا لینا پڑا، جس کے ذریعے سے لڑائی جھگڑوں کو سلجھایا جا سکے، تب انسانوں نے ایک منظم زندگی کا آغاز کیا، کسی زمانے میں یہ منظم زندگی قبائل کے رؤسا کی وجہ سے قائم رہی اور مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ قبیلے کے سردار اور رؤسا نے باہمی افہام اور تفہیم کے نتیجے میں ایک اجتماعی نظام حکومت قائم کی، اس حکومت کو مزید بہتر طریقے سے چلانے کے لیے ریاست کا وجود آگیا اور ریاست کے نتیجے میں انسانوں نے سہولت کے ساتھ رہنا شروع کر دیا، تب انسانوں کے مختلف مسائل کی درجہ بندی کی گئی اور ان مسائل کی درجہ بندی کے کرنے کے بعد ان کے حل کے لیے مختلف ادارے وجود میں آئے۔ قبل از اسلام یہ ادارے کسی نہ کسی صورت میں موجود رہے بعد اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں یہ ادارے مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ادارے مختلف افراد کے سپرد کیے گئے تھے اور یہ افراد جماعت کے نمائندہ ہوا کرتے تھے یعنی ان کو مجلس وزرا کا نام بھی دیا جا سکتا ہے یہ ادارے درج ذیل تھے۔

دیوانِ فوجداری مقدمات، کے لیے علیحدہ وزیر ہوا کرتے تھے، کعبۃ اللہ کا انتظام وانصرام رکھنے کے لیے علیحدہ وزیر تھے، غیب دانی یعنی یہ معلوم کرنا کہ کون سا کام ہمیں کرنا چاہیے کون سا نہیں کرنا چاہئے اس کے لیے فال اور تیر ہوا کرتے تھے، یہ ایک باقاعدہ وزارت تھی اور اس کی نگرانی کرنے والے کو وزیر کہا کرتے تھے، ٹیکس کی وصولی کے لیے وزیر ہوا کرتے تھے، اس کے علاوہ دارالندوہ تھا جہاں پہ مختلف اندرونی اور بیرونی مسائل پر مشاورت ہوتی تھی، اور اس دار الندوہ کا ممبر ہر وہ شخص ہوتا تھا جس کی عمر 40 سال ہوتی تھی۔

1۔ البقرہ 2:30

تحقیق کا بنیادی سوال:(Research Question)

ریاستِ مدینہ کے اصولوں کی روشنی میں اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد کس طرح ایک فلاحی اور مساوات پر مبنی معاشرے کے قیام میں کردار ادا کرتے ہیں، اور موجودہ اسلامی ممالک ان اصولوں کو اپنے سماجی و معاشی نظام میں کس حد تک نافذ کر رہے ہیں؟

معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق مکہ مکرمہ میں دارالندوہ کے علاوہ درج ذیل اداروں کے نام قابل ذکر ہیں، مشورہ، قیادہ، سدانہ، حجابہ، سقایہ، عمارۃ البیت، افاضہ، اجازہ، نسیئ، قبہ، آعنہ، رفادہ، اموال محجرہ، ایسار، آشناق، حکومہ، سفارہ، عقاب، لواء، حلوان النصر وغیرہ(1)

جب انسان حقیقت اور سچائی کے راستے سے بھٹکتے گئے تو ان کی رہنمائی کے لیے اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام مبعوث فرمائے، یہ انبیاء مختلف زمانوں میں مختلف علاقوں میں آتے رہے اور اپنی اپنی امت کی اصلاح کرتے رہے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا مبعوث ہونا اس بات کی دلالت ہے کہ اللہ رب العزت روئے زمین پر انسان کی نیابت اور خلافت کو قائم کرنا چاہتا ہے یعنی ایک ایسی سیاسی اجتماعیت کہ جس کے نتیجے میں ہر ہر انسان ایسی زندگی گزار سکے جس سے اس کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی میں ترقی نصیب ہو جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔

ولقد بعثنا في كل امه رسولا ان اعبدوا الله واجتني بالطاغوت فمنهم من هدى الله ومنهم من حقت عليه الظلال فسيروا في الارض فانظروا كيف كان عاقبه المكذبين۔(2)

ترجمہ:"اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر امت میں رسول، اور حکم دیا کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو طاغوت سے، پس بعض ان لوگوں میں سے وہ تھے جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ان میں سے وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوئی، پس چلو زمین میں اور دیکھو کیسے انجام ہوا ان لوگوں کا جو جھٹلانے والے تھے"۔

اس کے علاوہ اسلام کا نظام حدود اور تعزیرات بغیر حکومت اور ریاست کے پائے تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ شریعت مطہرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، لہذا حکم کرنا یہ حکمران یا ریاست کا کام ہے اور اگر کوئی حکم کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کی سزا کا اختیار بھی ریاست یا حکومت کے پاس ہوتی ہے تو یہ سزا کون دے گا اس کے لیے ریاست یا حکمران کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ رب العزت یہ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ ظالم ہیں ایک جگہ پہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں ایک جگہ پہ یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں لہذا، شریعت مطہرہ کے تمام احکامات کی بجا آوری کے لیے ایک منظم حکومت یا ریاست کا ہونا ضروری ہے اور یہی اسلام کا مزاج بھی ہے اسلام بغیر حکومت اور ریاست کے قائم نہیں ہو سکتا البتہ یہاں کچھ مکاتِبِ فکر کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے ان کے مطابق اسلام میں ریاست نہیں بلکہ امامت ہے یا امارت ہے یا خلافت ہے۔

ریاست کے ہم معنی الفاظ

ریاست کے ہم معنی الفاظ امامت، امارت، خلافت اور حکومت ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اسلام کے اس نظام امامت اور خلافت کو سیاسی نظام کا نام دیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

والامامه الرياسه عامه في امر الدين والدنيا خلافه عن النبي عليه الصلاه والسلام[3]

---

[1]۔ محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، 2004، صفحہ 11--15

[2]۔ النحل: 16:36

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

ترجمہ: امامت، دینی و دنیاوی معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فروع میں اسلام کے احکام کی جانشینی اختیار کرتے ہوئے عمومی اختیار و اقتدار ہے۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ کے مطابق امامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری، سیادت اوراطاعت کا نام ہے دینی معاملات میں اور دنیاوی معاملات میں اسی طرح فروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جانشینی ہے اس کے بارے میں عمومی اختیار واقتدار کا دوسرا نام امامت ہے اس کے علاوہ علامہ الماوردی امامت سے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

الامامہ موضوعہ للخلافہ النبوہ في حراسہ الدین وسیاسہ الدنیا۔[1]

ترجمہ: امامت، دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم نسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے۔

علامہ ماوردی کے مطابق امامت، نبوت کی نیابت ہے اور حقیقت میں دین کی سربلندی کے لیے اور حفاظت کے لیے دنیاوی امور کے ذریعے سے تدبیر اور نظم و نسق کے مطابق نظام کو چلانا حقیقت میں امامت ہے۔

علامہ ابن خلدون خلافت سے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

فھي في الحقیقه خلافه عن صاحب الشرع في حراسه الدین وسیاسه الدنیا به[2]

(درحقیقت خلافت، دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق خلافت دین کی حفاظت کا دوسرا نام ہے ان کے نزدیک امامت اور خلافت ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں اور ان کے مطابق دین کی حفاظت اور سر بلندی اور اس کے ذریعے سے دنیاوی امور کی تنظیم، تدبیر اور تنسیق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا دوسرا نام خلافت ہے۔

مذکورہ بالا علمائے شریعت کی توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا ایسا ٹکڑا جہاں پر مسلمان ایک منظم طریقے سے اسلامی دستور اور قانون کے مطابق زندگی گزار رہے ہوں اور یہ عوام اس دستور اور قانون کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں اس نظام کو چلانے والے حکمران کہلاتے ہیں اور ایسی طرز حکومت کو اسلامی فلاحی ریاست کہا جائے گا۔ اسلامی طرزِ حکمرانی میں حکمرانوں کو یہ اختیار دیا جاتا ہے، کہ ملک کے تنظیم و تنسیق کو بہتر انداز سے چلانے کے لیے آئین اور قوانین بنا سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ آئین اور قانون شریعت مطہرہ کے مخالف نہ ہو اور نہ ہی شریعت مطہرہ کی تنفیذ میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہوں، اس بارے میں خلفائے راشدین کی زندگیاں اور ان کی حکومتیں ہمارے لیے مینارِ نور ہیں۔

مذکورہ بالا بحث اور گفتگو کے نتیجے میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اسلام غلبہ چاہتا ہے اور یہ غلبہ ریاست اور حکومت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، جہاں پہ شریعت مطہرہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق زندگی گزاری جائے، اور عوام کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو، اس کو بظاہر امامت کا نام دیا جائے، خلافت کا نام دیا جائے، امارت کا نام دیا جائے یا ریاست کا نام دیا جائے، ان ناموں میں مفہوم ایک ہی ہے کہ ایک ایسی ریاست یا حکومت یا خلافت کہ جس کے ماتحت شریعت مطہرہ کی سربلندی ہو اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہو اور پوری دنیا کے اندر ایک ایسی ریاست قائم ہو جائے جو لوگوں کے لیے ایک مثل ہو۔ اسلامی ریاست حقیقت میں فلاحی ریاست ہوتی ہے، کیونکہ اسلامی ریاست رعایہ کے تمام حقوق کی نگرانی اور رکھوالی کرتی ہے، اسلامی ریاست میں عوام اقتدار میں شریک ہوتے ہیں، انہیں معاشرتی زندگی میں انصاف کی فراہمی ہوتی ہے اسلامی ریاست میں بسنے والے تمام انسان آپس میں برابر ہوتے ہیں۔ نظام عدل کے نتیجے میں تمام لوگوں کو برابر حقوق ملتے ہیں اس وجہ سے اسلامی ریاست حقیقت میں فلاحی

---

[3] ۔ تفتازانی زانی، سعد الدین، شرح القاصد فی علم الکلام، پاکستان، دارالمعارف النعمانیہ، 1401 ہجری، جلد دوم، صفحہ، 272۔

[1] ۔ الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد بن حبیب، الاحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ، مکتبہ، مصطفی البابی، مصر، 1393ھ، صفحہ 5۔

[2] ۔ ابنِ خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ ابنِ خلدون، مؤسسہ العلمی، بیروت، 1406ھ صفحہ، 211۔

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

ریاست ہوتی ہے۔اس اسلامی ریاست کا آئین اور دستور حقیقت میں شریعت مطہرہ کے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے یہ اسلامی ریاست حقیقت میں ایک حقیقی جمہوری ریاست ہوتی ہے جہاں حکومتی امور،مشاورت کے ذریعے سے طے کیے جاتے ہیں اور تمام حکومتی ذمہ داران اور عہدِ داران اپنے اپنے فرائض دیانت داری کے ساتھ سر انجام دیتے ہیں۔

اسلامی فلاحی ریاست اور اس کے مقاصد

اسلامی ریاست حقیقت میں فلاحی ریاست ہوتی ہے،اگرچہ موجودہ زمانے میں یورپ کو فلاحی ریاست کا بانی سمجھا جاتا ہے،جب 19ویں صدی میں جرمنی کے بادشاہ چانسلر اوٹو ون بسمارک نے اپنے ملک میں کچھ فلاحی سرگرمیاں شروع کی جس کے نتیجے میں وہاں کے شہریوں کے معاشی اور معاشرتی زندگی بہتر ہوگئی۔جرمنی کے بادشاہ کے مطابق فلاحی ریاست کا تصور یہ ہے۔

The Walfare State is a form of government in which the state
protects and promotes the aconomical,and social well being of the citizens,based upon the distribution of wealth,and public responsibility for principles of equal oppertunity,equitable citizens unable
to avail themseleves of the minimal provisions for a good life.(1)

فلاحی ریاست،حکومت کی ایک شکل ہے،جس میں ریاست اپنے شہریوں کو معاشی اور معاشرتی سطح پر ترقی دیتی ہے،اور تحفظ بھی فراہم کرتی ہے،اس کی بنیاد،مواقع کی یکساں فراہمی،دولت کی منصفانہ تقسیم،اور عوام کی زندگی بہتر بنانے کی ذمہ داری کے اصول پر ہے۔

تب ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مغربی ممالک میں فلاحی مملکت کا تصور ابھرنے لگا جبکہ حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست فلاحی ریاست ہوتی ہے،جس کا بہترین نمونہ خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔درج ذیل سطور میں ایک اسلامی فلاحی ریاست کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نظامِ صلوۃ اور زکوۃ کا قیام

اسلامی فلاحی ریاست کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس ریاست میں باقاعدہ نماز اور زکوۃ کا نظام ہوتا ہے۔اس کے علاوہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بھی اجرا ہوتا ہے،جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے

الذین ان مکناهم في الارض اقاموا الصلاه واتوا الزکاه وامر بالمعروف ونهو عن المنکر ولله عاقبه الامور(2)

ترجمہ:"ہم اگر ان لوگوں کو زمین میں اقتدار عطا کر دے تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے اور نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے اور اللہ کے اختیار میں تمام کاموں کا انجام ہے۔

اس آیت کریمہ میں اسلامی ریاست کی خصوصی مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس ریاست میں نماز اور زکوٰۃ کا باقاعدہ اہتمام ہو اور اس کے ساتھ ساتھ نیکی اور بھلائی کا ماحول قائم کرنے کے لئے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔

1۔https:en.wikipedia.org/wiki/Welfare-state/retrieved on 23rd March2019)

2۔الحج:41

امانتوں کی ادائی

اسلامی ریاست کا دوسرا اہم مقصد امانتوں کی واپسی اور ادائی ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدل امانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ان اللہ نعمه یعظکم به ان اللہ کان سمیعا بصیرا[(1)]

ترجمہ:"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک اللہ تم ہے نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"۔

قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد امانتوں کی ادائی اور عدل وانصاف کے قیام کے بارے میں رہنمائی کرتی ہے گویا کہ ایک اسلامی ریاست میں حقوق اور فرائض کی ادائیگی کا ایک منظم نظام ہوگا تاکہ حقداروں کو ان کی امانتیں پہنچائی جائیں اور اگر کوئی تنازعہ ہے تو اس کا فیصلہ عدل وانصاف کی بنیاد پر کیا جائے۔

امر بالمعروف ونھي عن المنكر کی تنفیذ وتبلیغ

اسلامی ریاست کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکنے کا کام کریں، نیکی کی تنفیذ اور اس کی تبلیغ کریں گویا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بغیر نظام حکومت کا قیام ممکن نہیں اس لیے اسلامی ریاست کی بنیادی اور اولین ذمہ داری کے بارے میں قرآن مجید نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔

کنتم خیر امه اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ ولو امن اھل الکتاب لکان خیرا لھم منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون۔[(2)]

ترجمہ:"تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب ،ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، کچھ ان میں سے ایماندار ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں"۔

آیت کریمہ کے اس حصے میں مسلم اُمہ کی بنیادی ذمہ داری کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اسلامی ریاست نہ صرف اپنے اندرونی معاملات میں دین متین کے قیام کو یقینی بنائے گی بلکہ عالمی حالات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کے ساتھ عدل اور انصاف کی بنیاد پر روابط قائم کرے گی۔ اور پوری دنیا میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ دنیا والوں کے سامنے اسلام کی ایک خوبصورت تعبیر پیش کی جاسکے۔ قرآن مجید نے حکمران کے لیے ایک خصوصی ضابطہ قائم فرمایا ہے جسے سورہ نِساء کی آیت نمبر 59 میں اللہ رب العزت یوں ارشاد فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولي الامر منکم فان تنازعتم في شيء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ذلك خیراواحسن تاویلا---[(3)]

ترجمہ:"اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر تمہارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور یوم اخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے"۔

---

[1]۔ النساء:58

[2]۔ آل عمران:110

[3]۔ النساء:59

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے اہم بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کی اطاعت بھی ضروری ہے اگر کسی معاملے میں تنازعہ ہو یا اختلاف ہو تو اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالی کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے وہاں سے رہنمائی حاصل کی جائے حکمران کے ساتھ اختلاف ممکن ہے لیکن اللہ رب العزت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اگر کسی ریاست کے اندر یہ خصوصیت ہو کہ وہاں حاکمیت اور حکمرانی اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو اور وہاں کے حکمران اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی کے پاسدار ہو اور اس کے علمبردار ہو تو حقیقت میں وہی ریاست اسلامی ریاست کہلائی جائے گی۔ایسی ریاست میں قانون کی تدوین اور تشکیل میں قرآن مجید اور سنت نبویہ سے انحراف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ربِ کائنات نے بڑی صراحت سے انحراف کو کفر قرار دیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الكافرون. (1)

ترجمہ:"اور جو اس قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں جسے اللہ نے نازل کیا ہے وہی کافر ہے"

ایک اور جگہ پہ اللہ رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ لوگ فاسقین کہلائے جائیں گے۔

عدلِ اجتماعی

اسلامی حکومت کا ایک اور بڑا مقصد عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لیے اس کے دو پہلو ہیں، ایک انفرادی پہلو اور ایک اجتماعی پہلو انفرادی پہلو یہ ہے کہ ایک شخص اپنی معمولات زندگی میں اعتدال رکھیں ہر کام میں عدل و انصاف رکھیں چاہے وہ اکل و شرب کے معاملات ہو یا خرید و فروخت کے معاملات کو یا کھانے پینے رہنے سہنے جاگنے کے معاملات ہو تمام معاملات میں عدل و انصاف ہو اور ساتھ ہی اعتدال اور توازن ہو عدل و انصاف کا دوسرا پہلو اجتماعی نقطہ نظر سے ہے اجتماعی نقطہ نظر سے عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ حکومتی معاملات میں عدل و انصاف قائم ہو یعنی فریقین کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے اور امور مملکت کے تمام شعبوں میں عدل و انصاف کو ہی معیار قرار دیا جائے چاہے تقرری کا معاملہ ہو یا کسی کے انتخاب کا معاملہ ہو ان تمام معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے۔اسی کہ عدلِ اجتماعی کہتے ہیں ۔اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ خلیفۃ فی الارض بنا کر بھیجا حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام ایک ہی وقت میں اللہ کے پیغمبر اور خلیفہ رب العالمین ہیں انہیں اللہ رب العزت نے حکم دیا، کہ لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو جیسا کہ سورہ ص میں ارشاد ہے۔

یا داوود انا جعلناك خليفه في الارض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله (2)

ترجمہ:داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے اس لیے تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے اٹکا دے گی۔

آیت مذکورہ میں حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو عدل و انصاف کے ساتھ حکم صادر فرمانے کا حکم دیا گیا ہے یہ حقیقت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں اور بلند درجے کے رسول ہیں جن پر الہامی کتاب زبور شریف نازل کی گئی تھی اس کے باوجود بھی انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ حق اور عدل انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمادے اور اپنے خواہشات کی اتباع نہ کرے ایک نبی ہونے کے ناطے کوئی پیغمبر عادل انصاف سماورافیصلہ نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ اپنے خواہشات نفس کی اتباع کرے گا جبکہ یہاں پہ حکم دیا گیا ہے کہ اے داؤد علیہ السلام حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور اپنی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے اس سے یہ مفہوم سمجھ اتا ہے کہ اس میں اللہ رب العزت حق اور انصاف کے معاملے میں بہت تاکید فرمارہے ہیں کہ ایک نبی کے لیے جو یہ حکم ہے تو عام لوگوں کے لیے تو درجہ اولی پر یہ حکم صادر ہوتا ہے اور اس حکم کی عدولی کسی صورت برداشت نہیں کی

[1] ۔المائدہ:44

[2] ۔ص:26

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

جائے گی یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ عدل و انصاف قائم کرنے کا پیمانہ کیا ہو گا عدل و انصاف کرنے کا پیمانہ وہ ہو گا جس کو اللہ رب العزت نے عدل انصاف کا پیمانہ قرار دیا ہے اور وہ ہے قرآن مجید قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے معاملات میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے پیمانے بتا دیے ہیں۔

اس زمرے میں ایک ضمنی بات یہ قابل ذکر ہے اور یہ ہمیں سمجھ آنی چاہیے کہ اسلامی حکومت کے ذمہ عدل انصاف کا قیام تو ہے ہی صحیح اس معاملے میں حکومت کو کچھ حدود اور قیود پہلے سے بتائے گئے ہیں اور کچھ ایسے معاملات ہیں جس کو فروعی احکام کہتے ہیں یعنی وہ مسائل جو پہلے نمودار نہ ہوئے ہوں اور جن کے بارے میں قرآن مجید اور سنت نبویہ میں کسی قسم کی تصریح موجود نہ ہو ایسی صورت میں حکمران وقت کو اور اجماع امت کو یہ اختیار دیا ہے کہ قرآن مجید اور سنت نبویہ کے بتائے گئے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کریں قیاس کریں اور نئے مسائل کو سلجھائیں اور اس کو حل کریں۔ اور نئے پیدا ہونے والے مسائل کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق حل کریں۔

اسلامی حکومت میں عدل و انصاف کے قیام کے حوالے سے سورۃ المائدہ کی درج ذیل آیات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الظالمون(1)

ترجمہ: "اور جو لوگ ان احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل کیے ہیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔"

ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے

وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین(2)

ترجمہ: اور اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

دوسری طرف اللہ رب العزت نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

یحکم بینهم بما انزل اللہ ولا تتبع اهوائهم (3)

ترجمہ: لہٰذا ان کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان لوگوں کی خواہش کے پیچھے مت چلو۔۔۔۔۔

اسلامی ریاست اپنے تمام رعایا کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہے اور عدل و انصاف کے دروازے سب رعایا کے لیے یکساں کھلے ہوتے ہیں اس بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘-وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ-اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ(8)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ تم انصاف نہ کرو (بلکہ) انصاف کرو، یہ پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ میں ایک عادلانہ نظام کی بنیاد رکھی اس نظام میں عدل و انصاف کا چرچہ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فاطمہ نامی خاتون کے حد کو روکنے کے حوالے سے سفارش کی بات کی گئی جو کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا۔

انما اهلك الذین امنوا قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد وایام اللہ لو ان فاطمه بنت محمد صلی اللہ علیه وسلم سرقت لقطعت یدها [4]

1۔ المائدہ:45

2۔ المائدہ:42

3۔ المائدہ:48

4۔ البخاری قبیل کتاب المناقب رقم الحدیث 3475

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

یعنی جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں انہیں اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی بڑا ادمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹوں گا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے کے بعد صحابہ کرام کا زمانہ شروع ہوتا ہے اور خلفائے راشدین کے زمانے میں ایسی تابناک مثالیں موجود ہیں جہاں اسلامی حکومت نے عدل وانصاف کے مینار قائم کر دیے۔

اسلامی حکومت میں عدل وانصاف اور قانون کی پاسداری کا یہ عالم رہا ہے کہ امیر المومنین قاضی کی عدالت میں کھڑا ہوتا ہے اور ایک عام شہری کے برابر فیصلہ سننے کا انتظار کرتا ہے۔

قاضی شریح کی عدالت میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کی پیشی ایک مشہور واقعہ ہے، اسی طرح قاضی خیر بن نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خلیفہ وقت عبد الملک بن مروان کا واقعہ، اس کے علاوہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے خلاف ان کی بیوی نے قاضی غوث بن سلیمان کے پاس مقدمہ دائر کیا، اور اپنی طرف سے مقدمہ دائر کرنے کے لیے وکیل پیش کیا، قاضی غوث بن سلیمان نے خلیفہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کے وکیل کے ساتھ فرش پر بیٹھے، اسی طرح بے شمار مثالیں تاریخ اسلام سے ملتی ہیں۔[1]

مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام

اسلامی ریاست کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو وہاں پر ایک ریاست قائم کی یہ ریاست حقیقت میں ایک فلاحی ریاست تھی اس ریاست کے لیے جو میثاق طے ہوا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، (مہاجرین، انصار) کے علاوہ وہاں کے رہنے والے یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر دوسرے قبائل کے دستخط بھی ہوئے تھے گویا کہ میثاق مدینہ ریاستِ مدینہ کا ایک اہم سبب بن گیا۔ دوسرا سبب مدینہ میں مختلف قبائل کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ، مدینہ میں آخری جنگ جو ہوئی (جنگ بعاث) جو پانچ سال تک جاری رہی اس سے پہلے بھی مختلف جنگیں ہوئی تھی ان تمام جنگوں کے نتیجے میں وہاں کے قبائل اکتا چکے تھے اور اب ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ جنگوں میں جتنا نقصان ہوتا ہے مالی نقصان، جانی نقصان، اس سے بچنے کے لیے ایک لائحۂ عمل کی طرف بڑھ رہے تھے، ایسے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے علاقائی قبائل نے خوش آمدید کہا اور جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک فلاحی ریاست کی طرف پہلا قدم بڑھایا تو وہاں کے بڑے قبائل اوس اور خزرج نے اس اقدام کو بڑا سراہا اور ان کی دیکھا دیکھی باقی قبائل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشکش کو قبول کر چکے، چونکہ اس ریاست میں جن باتوں کا خیال رکھا گیا وہ حقیقت میں اب بھی یورپ کے اندر فلاحی ریاست کے لیے معیار سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اس معاہدے کے مطابق یہ بات طے ہوئی تھی کہ آبادیوں میں امن وامان قائم رہے گا تاکہ سکون سے نئی نسل کی تربیت کی جاسکے نیز مذہب اور معاش کی آزادی ہوگی اگر اس نقطے پر غور کیا جائے تو حقیقت میں آج کا یورپ اسی پر کاربند ہے تمام لوگوں کو مذہبی آزادی دی ہے، کوئی مسجد جائے، مندر جائے، چرچ میں جائے، کوئی پابندی نہیں اسی طرح معاش کی آزادی ہے۔ روزگار، کاروبار کمائی کے ذرائع محدود نہیں بلکہ لامحدود ہیں۔ اور اس میں ہر شخص آزاد ہے یہی کام ہوا تھا میثاق مدینہ کے موقع پر اس کے علاوہ فتنہ وفساد کو قوت سے ختم کیا جائے گا، بیرونی حملوں کا مل کر مقابلہ کیا جائے گا اب ان نکات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے ریاست میں فتنہ، لڑائی جھگڑا، یا کوئی بیرونی حملہ آور آجائے تو اس کے لیے عیسائی، یہودی، مسلمان، (مہاجر یا انصاری) سب مل کر مقابلہ کریں گے، گویا مدینہ کی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے، اسی طرح دو نکات اور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی جنگ کے لیے نہیں نکلے گا جس کو سورینٹی (sovereignty) کہتے ہیں جو سٹیٹ کی طاقت ہوتی ہے سٹیٹ کا جو اصل حکمران ہوتا ہے وہی جنگ کی اجازت دیتا ہے اس طرح ہمیں ریاست مدینہ کے قیام کے حوالے سے تاریخی رہنمائی ملتی ہے اس ریاست کے لیے جو دستور لکھا گیا اور جس پر تمام قبائل کے دستخط ہوئے اس کو تحریری دستور کہا جاتا ہے اور بقول سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ یہ پہلا تحریری دستور ہے جسے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے لکھا گیا ڈاکٹر حمید اللہ فرماتے ہیں۔

1۔ تقی عثمانی مفتی محمد تقی عثمانی اسلام اور سیاسی نظریات مکتبہ معارف القران کراچی 2010 ص190

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

"دوسرے الفاظ میں اس مملکت کے دستور مرتب کر کے سب کے سامنے پیش کیا گیا اور سب کے مشورے سے اسے لکھا گیا اس تاریخی دستاویز کی خاص قابل ذکر اہمیت یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور" اُمیؐ "شخص کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے"۔[1]

اسلامی فلاحی ریاست کی اساسیات

اسلامی ریاست جو حقیقت میں ایک فلاحی ریاست ہوتی ہے یہ ریاست رعایا کی جان مال کی محافظ ہوتی ہے اس ریاست کی بنیاد چند اصولوں پر قائم ہوتی ہے یہ اصول درج ذیل ہیں۔

شریعت کی تنفیذ

اسلامی ریاست کا بنیادی اصول یہ ہوتا ہے کہ یہ شریعت مطہرہ کے تمام احکام کو لاگو کرتی ہے اس کی تنفیذ اولین ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہوتی ہے اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ، ریاست جو مدینہ منورہ میں قائم ہوئی تھی اس ریاست نے مختصر عرصے میں مدینہ کے اندر لوگوں کی زندگیاں بدل دی، دوسری طرف شرعی احکام کی تنفیذ کو مکمل طور پر یقینی بنایا۔ مشہور مورخ علامہ ابن خلدون اسلامی ریاست کی مضبوطی اور پائداری کے لیے شریعت مطہرہ کی تنفیذ کو لازم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں "ملک کے وقار اور استحکام کا انحصار صرف شریعت کے قیام و نفاذ پر مبنی ہے جس کی بنیاد اللہ تعالی کی اطاعت ہے اللہ تعالی کے اوامر و نواہی کے تحت ہی تصرف ہو سکتا ہے شریعت کا نفاذ درحقیقت مملکت کے وجود سے ہے، اور ملک کا وقار عوام ہے، عوام کا استحکام معاشی استحکام پر مبنی ہے، معاش انسانی معاشرت کی بدولت حاصل ہوتا ہے اور معاشرت کے استحکام کی بنیاد صرف اور صرف انصاف پر ہے۔"[2]

شورائیت

اسلامی ریاست کا ایک بہت بڑا اصول شورائیت ہے اور حقیقت میں وہی ریاست مستحکم ہوگی، جس میں رعایا کی رائے نظام حکومت میں شامل ہوتی ہیں۔ اسی امر کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے

وامرهم شورى بينهم[3]

ترجمہ: "مسلمانوں کا نظام ان کے باہمی مشورے کی بنیاد سے چلتا ہے"۔

اس آیت کریمہ کے نتیجے میں مشورے کا دائرہ کار واضح ہوتا ہے کہ مشورہ درج ذیل معاملات میں لیا جائے گا، مثال کے طور پر حکمرانوں کا انتخاب، اور ان کی معزولی، ریاست کی داخلی اور خارجی حکمت عملی، قانون سازی ہر نوعیت کی، دینی معاملات کے متعلق شریعت کی منشاء کی تعیین و تشریح، اور ریاست کے دوسرے معاملات ان تمام سے متعلق اصول متعین کیے گئے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشورہ دینے میں سب رعایا کے حقوق ایک جیسے ہیں کسی کو خصوصی حیثیت حاصل نہیں البتہ اگر کسی مسئلے کی نوعیت ایسی ہو کہ جس کے بارے میں سب لوگوں کا متفق ہونا عقلا محال ہو تو ایسے میں اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اسلامی ریاست میں مشاورت کی اہمیت کا اس آیت کریمہ سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کہا گیا ہے کہ اے نبیؐ اپنے تمام تر معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیجئے، قرآن کریم میں سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالی ہے۔

---

[1]۔ محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، 2004، صفحہ 21

[2]۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، صفحہ 219

[3]۔ الشوری:38

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

فاعفو عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر"[1]

ترجمہ:"اے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لیے مغفرت چاہیے اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے۔"

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ ریاست کے اجتماعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پابند بنایا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی جائے، لیکن دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی حیثیت ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کسی بھی معاملے میں اجتماعی یا اکثریتی رائے کے پابند نہیں ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی ہے، اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید اتارا گیا ہے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں یہ بات تھی کہ وہ اکثر معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے، جیسے کہ حضرت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ کسی شخص کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔"[2]

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے حوالے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ سے مشاورت کو ضروری قرار دیا تھا، تو کن امور میں مشورہ کیا جائے؟ اور مشورہ کن لوگوں سے لیا جائے؟ اس کا دوٹوک جواب یہ ہے کہ مشورہ اُمورِ ریاست سے متعلق صرف اور صرف اہل ایمان کا معتبر ہوگا، نیز ماہرین فن کا مشورہ معتبر ہوگا، اور دوسری بات یہ کہ ریاست کے وہ معاملات جس کے بارے میں صریح رہنمائی قرآن وحدیث سے میسر نہ ہو ان معاملات میں مشورہ کیا جائے گا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی فرضیت، اور عدم فرضیت یا نمازوں کے اوقات وغیرہ سے متعلق کوئی مشورہ نہیں ہوگا کیونکہ ان کی وضاحت صراحتا قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مشاورت کے سلسلے میں ہر بندے سے مشورہ لیا جائے؟ عملا یہ عمل ممکن نہیں ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں بھی یہ ممکن نہیں تھا، لہذا، تمام طبقات کے نمائندوں سے مشورہ لیا جا سکتا ہے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کے قیدیوں کے حوالے سے فیصلہ یوں فرمایا تھا صحیح بخاری کی روایت ہے۔

"مسلمانوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی بس تم جاؤ اور اپنے سرداروں کو بھیجو تا کہ وہ تمہاری رائے سے ہمیں اگاہ کرے۔"[3]

قیام عدل

اسلامی ریاست کا تیسرا اہم اصول عدل وانصاف کا قیام ہے اس بارے میں قرآن مجید نے جو رہنمائی فرمائی ہے وہ یہ ہے

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل[4]

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

---

[1]۔ آل عمران:159

[2]۔ ترمذی، السنن، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی امور الجہاد، رقم الحدیث 1128

[3]۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب موعظۃ الامام، للخصوم، رقم الحدیث

[4]۔ النسا:58

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جن ریاستوں میں عدل وانصاف کا غلبہ رہا وہ ترقی یافتہ ریاست کہلائی گئی اور جن ریاستوں میں عدل وانصاف کا قیام یقینی نہ رہا وہاں ظلم جبر اور بربریت جاری رہی جس کا نتیجہ ان ریاستوں کے زوال کے سوا اور کچھ نہ نکلا اس لیے شریعت مطہرہ نے کسی بھی ریاست کے اندر عدل وانصاف کے قیام کو ضروری قرار دیا ہے جیسے کہ اللہ رب العزت کا حکم ہے کہ جب فریقین کے مابین کوئی ایسا معاملہ ہو جو حل طلب ہو تو اس بارے میں انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔

وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان الله یحب المقسطین [1]

ترجمہ:"اور اگر تم ان فریقین کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

عہد نبویؐ میں اسلامی ریاست کے سربراہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ ہی اسی ریاست کے چیف جسٹس بھی ہوا کرتے تھے اسی بنیاد پر اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مثالی نظامِ عدل قائم کرنے کا حکم دیا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

وامرت لاعدل بینکم

ترجمہ:"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔"

عہد نبویؐ میں اس حکم ربانی کی تعمیل کا وہ واقعہ جو قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنت اسود کے حوالے سے مشہور ہے سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے ہوا یہ کہ قبیلہ بنی مخزوم کی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، انہیں سزا سنائی گئی چونکہ ایک باعزت خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے چند صحابہ کرامؓ کی خواہش تھی کہ اس خاتون کی سزا میں کوئی رعایت برتی جائے اس مقصد کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے، انہیں نمائندہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا گیا، اور خصوصی سفارش کی درخواست کی گئی، ان کی درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے امام ابن ماجہؒ نے اپنی کتاب سنن ابن ماجہ میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

یا ایها الناس انما هلك الذین من قبلکم انهم کانوا اذا سرق فیهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد وایم الله لو ان فاطمه بنت محمد سرقت لقطعت یدها [2]

ترجمہ:"تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ ہوگئے کہ وہ غرباء پر بلا تامل حد جاری کر دیتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے یہ تو فاطمہ بنت اسود ہے قسم ہے! رب عظیم کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر بالفرض فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔"

یہی معیار حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفاء کے زمانے میں بھی قائم رہا۔

اسلامی ریاست میں عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے مبارک عہد میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ ابن جبل، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابو موسی اشعریؓ، حضرت عقبہؓ اور حضرت معقل بن یسارؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بطور قاضی تقرر فرمایا تھا۔[3]

---

[1]۔ المائدہ:42

[2]۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن ماجہ، السنن، المکتبہ الشاملہ، کتاب الحدود، باب الشفاعه في الحدود، رقم الحدیث، 2983

[3]۔ ڈاکٹر یاسین مظہر، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام حکومت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، 1995، صفحہ 34

انسانی مساوات

اسلامی فلاحی ریاست کا ایک اہم اور بنیادی اصول انسانی مساوات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نظام حکومت کے چلانے میں تمام رعایا برابر ہے اس میں کوئی فرق نہیں قانون کی نظر میں سب رعایا برابر ہے، چاہے وہ امیر ہے یا غریب ہے، مسلمان ہے یا کافر ہے، قانون کی نظر میں سب برابر ہے، اسلامی ریاست کے بنیادی قوانین اور اصولوں کی پاسداری نہ کرنے والا سزا کا مرتکب ہو گا، چاہے وہ مسلم شہری ہے، یا غیر مسلم شہری ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے عنوان سے ایک معاہدہ کیا جس میں مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا، کہ ریاست مدینہ کے تحفظ کے لیے ہم سب ایک جان ہوں گے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی مساوات کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، "اے لوگو تم سب کا پروردگار ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک (آدم علیہ السلام) ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے۔ [1]

ریاست کا دفاع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں جب ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اس ریاست کے دفاع کے لیے خصوصی انتظامات فرما دیے، ان میں سے سب سے اہم تاریخی معاہدہ ہے، یعنی میثاق مدینہ، اس میثاق میں مدینہ کے تمام قبائل اور ہجرت کرنے والے قبائل یعنی مہاجرین کے قبائل نے مشترکہ طور پر یہ طے کیا کہ یہ ریاست ہم سب کی ہے اس کی حفاظت اور سلامتی ہم سب کے لیے ضروری ہے اب اس معاہدے کے نتیجے میں مدینہ کے تمام قبائل کے درمیان امن سلامتی اور دوستی کی فضا بن گئی، اس معاہدے میں ریاست کے دفاع کے حوالے سے جو بات اہم ہے اسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے "معاہدہ میں شریک کسی بھی حلیف پر کسی دشمن نے حملہ کیا، تو تمام معاہدین مل کر مشترکہ دفاع کا عمل سرانجام دیں گے۔" [2]

ایک طرف اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں میثاق مدینہ جیسے ایک اہم معاہدہ فرمایا دوسری طرف مدینہ کے قرب وجوار میں مشرکین مکہ نے مختلف لڑائیاں برپا کر دی جس میں بدر، احد اور خندق شامل ہیں ان لڑائیوں میں مسلمانوں کا کردار دفاعی رہا یعنی مسلمانوں نے ریاست مدینہ کا دفاع کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تقریباً 88 معرکے ہوئے مشرکین کے ساتھ، ان تمام معرکوں میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کے مطابق ریاست مدینہ کا دفاع کیا اس سلسلے میں قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ان لڑائیوں میں مسلمان شہداء کی تعداد 255 اور مخالفین اسلام مقتولین کی تعداد 759 ہے، قیدیوں کی تعداد 6564 ہے، جن میں سے 6347 کو بغیر شرط کے، اور 70 کو فدیہ لے کر رہا کیا گیا، صرف دو قیدیوں کو عدالتی عمل کے تحت جرم ثابت ہونے پر بطور قصاص قتل کیا گیا۔" [3]

ضابطہ تقرری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جا کر جو ایک اسلامی فلاحی ریاست قائم کی، اس ریاست کے انتظام و انصرام کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کے لیے صحابہ کرام کو مختلف ذمہ داریاں دی گئیں یہ ذمہ داریاں ریاست مدینہ کے تحفظ اور بقا کے علاوہ انتظام اور انصرام کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے تھی، یہ ذمہ داریاں اور

---

[1] ۔ ناصر الدین البانی، سلسلہ الاحادیث الصحیحہ، اسلامک اردو بکس ڈاٹ کام، حدیث نمبر، 294

[2] ۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی، 1991، صفحہ، 36

[3] ۔ منصور پوری، قاضی سلیمان، رحمت اللعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1990، جلد دوم، صفحہ، 265

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

تقرریاں اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر ہوا کرتی تھی، صوبوں کے عامل اور گورنر بھی اسی قاعدہ اور کلیہ کے مطابق مقرر کیے جاتے، ان عاملوں اور والیوں کے فرائض منصبی میں ریاست مدینہ کے سرحدوں کی حفاظت شامل تھی، اس کے ساتھ ساتھ عوام کی تربیت عصری اعتبار سے، اور دینی اعتبار سے، نیز ریاست مدینہ کا معاشی نظام اور معاشی استحکام، عوام کے لیے ضروری طور پر ضابطہ احتساب، اور دیگر مذہبی معاملات کو دیکھنا شامل ہوتا تھا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم وقت فوقتاً ان عاملوں اور گورنروں کو ہدایات جاری فرمایا کرتے تھے، بعض دفعہ ضرورت کی خاطر ان کے تبادلے بھی کرواتے تھے، یہاں تک کہ جب ضرورت محسوس ہوئی تو عامل کو معزول بھی کر دیتے تھے۔ ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی کے مطابق درج ذیل صحابہ کرام کو مختلف ذمہ داریاں دی گئی تھیں۔

"حضرت عمر، حضرت علی، حضرت سعد بن معاذ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی، حضرت انیس بن زحاک اسلمی، اور حضرت ابو امامہ باہلی رضوان اللہ علیہم۔"[1]

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کے تحفظ اور بقا کے لیے جن لوگوں کا تقرر کیا، وہ خالصتاً میرٹ پر کیا، اور اہلیت کے بنیاد پر کیا، اور صحابہ کرام میں قابل لوگوں کا انتخاب کیا۔

معیشت کا استحکام

اسلامی ریاست کے استحکام میں معیشت کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اسلامی ریاست پائدار معیشت کا خواہاں ہے، معیشت مستحکم ہوگی، تو ریاست ترقی کرے گی، اس حقیقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز اول سے جانچا، اور اس کے لیے باقاعدہ حکمت عملی بنائی، اسلامی ریاست میں رشوت، شراب نوشی، سٹہ بازی، بدکاری، بت فروشی وغیرہ کو حرام ذرائع قرار دی ہیں۔

اس طرح فضول خرچی عیاش پرستی کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا (2)

ترجمہ: اور رشتہ داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور فضول نہ اڑا۔

اسی طرح رشوت اور بدعنوانی کو بھی ملعون قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار.(3)

اسی طرح دولت کے ارتکاز پر بھی پابندی لگائی گئی ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالی ہے

﴿ما أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾[4]

[1]۔ یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر، عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام حکومت، ماحولہ بالا، صفحہ 26،27

[2]۔ بنی اسرائیل:26

[3]۔ احمد بن حنبل، المسند، مطبعہ عثمانیہ، ترکی، 1424ھ، جلد دوم، باب فی کراہیۃ الرشوۃ، رقم الحدیث، 164)۔

[4]۔ الحشر:7

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

"جومال خدا نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ خدا کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں ان ہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔ سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے"

اسلام سے قبل مال غنیمت جائز نہیں تھا اسلام نے مال غنیمت میں خمس کو باقاعدہ قانونی درجہ دیکھ کر مجاہدین کے لیے حلال قرار دیا مجاہدین کے علاوہ مفلوک الحال لوگوں کی بھی مدد کی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴿﴾[1]

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوگئی۔ اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اسلامی ریاست کا استحکام، معیشت کے استحکام پر منحصر ہے اسی لیے اسلام نے ارتکاز اور اکتنازِ دولت پر پابندی لگادی۔ دوسری طرف مال کی مناسب تقسیم کے لیے زکوۃ، صدقات اور خیرات کا تصور دیا تاکہ معاشرے میں بسنے والے لوگ کسی طریقے سے معاشی محتاجی کا شکار نہ ہو اس مقصد کے لیے اسلام نے کہیں زمینوں پر محصول لگایا ہے کہیں جزیہ لینے کا حکم دیا ہے اور کہیں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے۔

سفارت کاری

اسلامی فلاحی ریاست کا ایک اصل الاصول سفارت کاری ہے، اسلام نے آج سے 1400 سال پہلے سفارت کاری کو اہمیت دی صرف اہمیت نہیں دی بلکہ اس کام کے لیے چنیدہ چنیدہ صحابہ کرام کا انتخاب کیا گیا سفارت کاری کیا ہے یہ ایک طریقہ ہے کہ جس میں کسی ملک کے سفیر یا سفارتی نمائندے اپنے اپنے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھ کر، دوسرے ممالک کے سفیروں یا سفارتی نمائندوں سے گفتگو، بحث ومباحثہ، اور معلومات کا تبادلہ کرتے ہیں، اور یہ ممالک ایک دوسرے کے مفادات کی حفاظت بھی کرتے ہیں مدینے کی پہلی اسلامی ریاست نے مدینہ کے باہر کے قبائل اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنا بہت ضروری سمجھا، اس کی زندہ مثال حدیبیہ کے مقام پر رکنے کے بعد اہل مکہ سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت سیدنا عثمان غنی کے رضی اللہ تعالی عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا، ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت ابن ہشام میں ان صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کاری کے لیے تیار فرمایا تھا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت کاری کے لیے جن تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کو دنیا کے حکمرانوں اور سرداروں کے پاس بھیجا، ان میں دحیہ بن خلیفہ کلبی، عبد اللہ بن حذافہ سہمی، عمرو بن امیہ ضمری، حاطب بن ابی بلتعہ، شجاع بن وہب اسدی، اور حارث بن عمیر ازدی، رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام شامل ہیں۔[(2)]

---

[1] ۔الأنفال:41

[2] ۔ابن ھشام، سیرت ابن ہشام، جلد نمبر3، ص،60

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حکمرانوں کی ذمہ داری

اسلامی ریاست کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ حکومت اور اختیارات ایسے لوگوں کے حوالے کیے جائیں جو ایماندار ہو اور عدل پسند ہو کیوں کیونکہ حقیقت میں حکومت اور اختیارات اللہ تعالی اور مسلمانوں کی امانت ہوتی ہے اور اس امانت کو اپنے حقدار تک پہنچانا شریعت مطہرہ کے مطابق یہ ضروری ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾[1]

ترجمہ: خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو خدا تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے بے شک خدا سنتا اور دیکھتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔[2]

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہا مجھ کو امام مالک نے خبر دی، انہیں عبداللہ بن دینار نے اور انہیں عبداللہ بن عمرؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آگاہ ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (امیر المؤمنین) لوگوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا اور کسی شخص کا غلام اپنے سردار کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہو گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہو گی۔

نیکی کے کاموں میں اطاعت کرنا

اسلامی اور فلاحی ریاست کا ایک اصول نیکی کے کاموں میں اطاعت کرنا بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رعایا اور ماتحتوں کے لیے صرف اور صرف وہی احکام واجب الاطاعت ہے جو شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو بھی اطاعت المعروف کے ساتھ جوڑا گیا تھا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی بھی نافرمانی اور معصیت کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ اس بارے میں سوچنا بھی محال ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[3]

---

[1] ۔النساء:58

[2] ۔البخاری، صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، رقم الحدیث، 893

[3] ۔الممتحنۃ:12

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

اے پیغمبر! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اقتدار کے مطالبہ کی ممانعت

اسلامی ریاست کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ رعایا اقتدار کا مطالبہ نہیں کر سکتے مخصوص مناصب اور ذمہ داریوں کے لیے اہل لوگوں کو منتخب کیا جاتا ہے کیونکہ انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جو لوگ حکومت اور اقتدار کا مطالبہ کرتے ہیں یعنی اقتدار کے طلبگار ہوتے ہیں وہ اقتدار میں آکر ظلم اور فساد کرتے ہیں، اس لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ(1)

"وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عن أبي موسى الأشعري –رضي الله عنه– قال: دخلتُ عَلى النَبِيّ –صلَّى الله عليه وسلَّم– أنَا ورجلاَن مِنْ بَنِي عَمِّي، فَقَال أحدهما: يا رسول الله، أمرنا على بعض ما ولاك الله –عز وجل– وقال الآخر مثل ذلك، فقال: «إِنَّا وَالله لاَ نُوَلِّي هَذا العَمَلَ أَحدًا سَألَهُ، أو أَحَدًا حَرِصَ عَلَيهِ».[2]

ترجمہ: ابو موسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے چچا کے بیٹوں میں سے دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی تولیت میں جو دیا، اس کے کسی حصے پر ہمیں امیر بنا دیجیے۔ دوسرے نے بھی یہی کہا، تو آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہم کسی ایسے شخص کو اس کام کی ذمے داری نہیں دیتے، جو اس کو طلب کرے اور نہ ہی ایسے شخص کو، جو اس کا خواہش مند ہو"۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نظام کا قیام

اسلامی فلاحی ریاست کا ایک اہم اصول امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قیام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست نیکی پرہیز گاری کے کاموں کو فروغ دے گی اور گناہ اثم اور نافرمانی کے کاموں کو روکے گی یہ ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے کہ رعایہ کے درمیان اعلیٰ اخلاق کو فروغ دے اور معاشرتی برائیوں اور خرابیوں کا قلع قمع کر دے ریاست اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے برائیوں کو ختم کر دے بلکہ برائیوں کو پیدا نہ ہونے دے جیسے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ(3)

---

[1] ۔القصص:83

[2] ۔البخاری، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، رقم الحدیث، 7149

[3] ۔المائدۃ:2

"مومنو! خدا کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو خدا کی نذر کر دیئے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من رأى منكم منكرًا فليغيرْه بيدِه فإن لم يستطعْ فبلسانِه . فإن لم يستطعْ فبقلبِه . وذلك أضعفُ الإيمانِ۔[1]

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو ہاتھ سے بدل لے اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے اور روکنے کی خواہش رکھیں اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

اسلامی فلاحی ریاست میں شہریوں کے حقوق

اسلامی فلاحی ریاست کا اصل مقصد تو اللہ رب العزت کی نیابت کا فریضہ سرانجام دینا ہے جو روز اول سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سرانجام دیتے رہے اور پھر ان کی امت کے ہر خاص وعام یہ ذمہ داری نبھاتی رہی اور نبھاتے رہیں گے۔ انفرادی طور پر ہر امتی پر لازم ہے کہ نیابت کا فریضہ سرانجام دے دوسری طرف اجتماعی طور پر جو نیابت کا فریضہ ہے وہ ایک ریاست ادا کرتی ہے خاص طور پر اسلامی ریاست، اسلامی ریاست نیابت کا فریضہ ایسے سرانجام دیتا ہے کہ روئے زمین پر ایک ایسی مملکت کو تخلیق کرے جس میں رعایا یعنی شہریوں کے حقوق کی پاسداری ہو اور کسی کے بھی حقوق پامال نہ ہو، اسلامی ریاست میں تمام رعایا برابر ہوتے ہیں، اور تمام رعایا شہری حقوق رکھتے ہیں، ان شہری حقوق میں مسلمان، اور دوسرے مذہب کے ماننے والے برابر ہوتے ہیں۔ نیز اسلامی فلاحی ریاست اپنے شہریوں کو وہ حقوق دیتی ہے، جس کا تصور جدید ترین ریاست میں ابھی تک نہیں ابھرا ہے اسلامی فلاحی حکومت اور ریاست دین کے عقائد اور اعمال کی خلاف ورزی پر اپنے شہریوں کے خلاف کارروائی کر سکتی ہے، اس بابت میں قانون سازی بھی کر سکتی ہے، اسی طرح ریاست، تمام شہریوں کو دوسروں کی جان، مال، عزت وآبرو سے کھیلنے سے روکتی ہے، اس بارے میں سزائیں متعین کرتی ہے۔ تاکہ معاشرے میں مختلف جرائم کا سدباب کیا جاسکے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اسلامی ریاست میں ان حقوق پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے جس میں چند عنوانات درج ذیل ہیں۔

حرمتِ جان، معذوروں اور کمزوروں کا تحفظ، تحفظ ناموس خواتین، معاشی تحفظ، عدل وانصاف، نیکی میں تعاون اور بدی میں عدم تعاون، مساوات کا حق، معصیت سے اجتناب کا حق، ظالم کی اطاعت سے انکار کا حق، سیاسی کارفرمائی میں شرکت کا حق، آزادی کا تحفظ، تحفظ ملکیت، عزت کا تحفظ، نجی زندگی کا تحفظ، ظلم کے خلاف احتجاج کا حق، آزادی اظہار کا حق، ضمیر واعتقاد کی آزادی کا حق، مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق، آزادی اجتماع کا حق، عمل غیر کی ذمہ داری سے بریت، شبہات کی بنیاد پر کارروائی نہ کرنے کا حق۔

ان حقوق کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی"، میں چند ایک حقوق کا اور بھی تذکرہ کیا ہے، جیسے ضرورت مندوں کی کفالت، بنیادی تعلیم وہنر کی فراہمی، اقلیتوں سے حسن سلوک وغیرہ۔

---

[1] ۔القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، رقم الحدیث، 49

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

سید ابو الاعلی مودودی نے اپنی کتاب میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے الگ باب بنایا ہے، جس میں بے شمار حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان حقوق میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

حفاظت جان، فوجداری قانون، دیوانی قانون، تحفظ عزت کا حق، ذمہ کی پائداری، شخصی معاملات کا حق، مذہبی مراسم کی ادائی کا حق، عبادت گاہ میں جانے کا حق، جزیہ وغیرہ کے تحصیل میں رعایت، تجارتی ٹیکس میں چھوٹ، فوجی خدمات سے استثناء، مجلس شوری کی رکنیت کا حق، آزادی تحریر و تقریر وغیرہ کا حق، تعلیم کی آزادی، ملازمتیں حاصل کرنے کا حق، معاشی کاروبار اور پیشہ اختیار کرنے کا حق وغیرہ۔(1)

اسلامی فلاحی ریاست کے فرائض

ایک فلاحی اسلامی ریاست اس لیے قائم کی جاتی ہے کہ وہاں پر اللہ تعالی کے دین کے غلبے کے لیے کام کیا جائے وہاں پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قیام ممکن ہو سکے کسی جگہ پر خطہ ارض حاصل کر کے صرف زمین پر قبضہ کرنا اسلامی فلاحی ریاست کا منشا نہیں ہے بلکہ وہاں پر اللہ تعالی کا قانون جاری کرنا ہے اس معاملے میں ایک عظیم مفکر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ریاست کی بنیادی ذمہ داری کے بارے میں یوں لکھتے ہیں۔

هي الرياسة العامة في التصدي لاقامه الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقالات واعطائهم من الفي والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابه عن النبي صلى الله عليه واله وسلم-(2)

ترجمہ: "علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کے ذریعے دین قائم کرنے، ارکان اسلام عملاً نافذ کرنے، جہاد اور اس سے متعلق امور، یعنی لشکر ترتیب دینے، مجاہدین کے مشاہرے مقرر کرنے، مال غنیمت سے انہیں حصہ دینے، حدود اللہ قائم کرنے، نیکی کا حکم دینے، اور برائی سے روکنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی امارت کرنے کو ریاست کہتے ہیں"۔

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسلامی ریاست کے فرائض کے حوالے سے جن ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے ان کو درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

1. دینی علوم کی اشاعت اور ترویج۔
2. ارکان اسلام کو نافذ کرنا۔
3. جہاد اور اس سے متعلقات جیسے لشکر کی تیاری اور فوجیوں کی تنخواہیں وغیرہ کا انتظام و انصرام کرنا۔
4. امر بالمعروف نہی المنکر کا قیام۔
5. تمام معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نیابت کرنا۔

مذکورہ بالا نکات کے علاوہ ایک اسلامی ریاست کی مندرجہ ذیل ذمہ داریاں ہو سکتی ہیں۔

- ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعاون کی فضا قائم کرنا۔
- ٹیکسوں کے نظام کو بھرپور بنا دینا۔
- معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہترین معاشی نظام قائم کر دینا۔

1۔ مودودی، ابو الاعلی،، اسلامی ریاست اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1386 ہجری، ص 406

2۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفا، سہیل اکیڈمی، لاہور، 1396ھ، ج، 1، صفحہ، 2

- بین الاقوامی سفارتی تعلقات کا بھرپور اہتمام کرنا۔
- ملک میں خارجی صلاح داخلی اور خارجی سلامتی کے لیے پولیس اور فوج کا بہترین انتظام کرنا۔
- ملک سے ظلم جبر ناانصافی کا مکمل خاتمہ کرنا اور نظام انصاف کو یقینی بنانا۔
- عوامی مسائل کو ہر ممکن طریقے سے حل کرنا نیز اس کے لیے حلق سے ادارے قائم کرنا۔

اس کے علاوہ اسلامی شعائر کو زندہ کرنے کے ساتھ ساتھ نماز اور زکوۃ اور دوسرے ارکان اسلام کے لیے منظم نظام قائم کرنا

مذکورہ بالا سطور میں اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں اور فرائض کے حوالے سے تمہیدی گفتگو کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک نکتہ تفصیل طلب ہے، جس پر الگ سے عنوان کے ساتھ گفتگو کی جاسکتی ہے۔ انہی ذمہ داریوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست حقیقت میں فلاحی ریاست ہوتی ہے، اور وہ دوسری غیر اسلامی ریاستوں سے ممتاز ہوتی ہے کیونکہ یہاں اخلاقی اقدار بہت نمایاں ہوتے ہیں، اور بہترین اخلاقی اقدار پروان چڑھتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

اسلامی ریاست کا قیام محض سیاسی نظم و نسق کا معاملہ نہیں بلکہ ایک الٰہی نظامِ عدل و فلاح کے قیام کا ذریعہ ہے۔ ریاست کا مقصد انسان کو ظلم، استحصال اور محرومی سے نکال کر عدل، مساوات، اور اخلاقی برتری پر مبنی معاشرہ تشکیل دینا ہے۔

اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد وہی ہیں جو مقاصدِ شریعت کے نام سے جانے جاتے ہیں، یعنی:

1. حفظِ دین دین کی حفاظت
2. حفظِ نفس جان کی حفاظت
3. حفظِ عقل علم و شعور کی ترقی
4. حفظِ نسل خاندان اور معاشرتی نظام کا استحکام
5. حفظِ مال معاشی عدل و تحفظ

یہ مقاصد مجموعی طور پر سماجی بہبود، انسانی مساوات، اور معاشی انصاف پر مبنی ریاستی ڈھانچے کی بنیاد رکھتے ہیں۔

ریاستِ مدینہ، جو رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی، اسلامی ریاست کا نظری اور عملی نمونہ ہے۔

اس کے چند نمایاں پہلو یہ تھے:

- قانون کی بالادستی: تمام شہری، خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، قانون کے سامنے برابر تھے۔
- سماجی انصاف: زکوٰۃ، صدقات، بیت المال، اور مواخاتِ مدینہ جیسے اداروں کے ذریعے فلاحی نظام قائم کیا گیا۔
- اخوت و مساوات: انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارے کا عملی مظاہرہ کیا گیا۔
- اقلیتوں کے حقوق: میثاقِ مدینہ کے ذریعے غیر مسلموں کے جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا۔
- شفاف حکومت: حکمران کو جوابدہ اور رعایا کے سامنے جواب دینے والا بنایا گیا۔

اسلامی ریاست انسانی فلاح کے ہر پہلو—معاشی، تعلیمی، صحت، اور عدالتی انصاف—میں براہِ راست کردار ادا کرتی ہے۔

- معاشی بہبود: زکوٰۃ، عشر، صدقات، اور بیت المال کے نظام سے غربت میں کمی اور وسائل کی منصفانہ تقسیم ممکن ہوتی ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 2 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

- تعلیم و تربیت: ریاست تعلیم کو بنیادی حق کے طور پر فروغ دیتی ہے تاکہ علم اور اخلاق دونوں مضبوط ہوں۔
- سماجی انصاف: کمزور طبقات، یتیموں، بیواؤں اور مساکین کے حقوق کی ضمانت دی جاتی ہے۔
- امن و مساوات: اسلامی ریاست میں امن و انصاف کو مذہبی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کے اصول آج کے جدید فلاحی ریاستی ماڈلز (Welfare State) سے بھی زیادہ جامع ہیں کیونکہ ان کی بنیاد روحانی و اخلاقی اقدار پر ہے۔
اسلامی ریاست نہ صرف مادی بہبود بلکہ روحانی و اخلاقی تطہیر کو بھی اپنا مقصد قرار دیتی ہے۔
جدید دور میں اگر اسلامی ممالک ان اصولوں پر عمل کریں تو غربت، بدعنوانی، اور طبقاتی تفریق کا خاتمہ ممکن ہو سکتا ہے۔

سفارشات

1. اسلامی ممالک کو چاہیے کہ اپنی قانون سازی، پالیسی سازی، اور انتظامی ڈھانچے میں **مقاصدِ شریعت (حفظِ دین، جان، عقل، نسل، مال)** کو عملی بنیاد بنائیں تاکہ سماجی و اخلاقی بہبود کا حقیقی تصور پروان چڑھے۔
2. ریاستِ مدینہ کے بیت المال کے ماڈل کو سامنے رکھتے ہوئے، موجودہ اسلامی ممالک میں **زکوٰۃ، صدقات، اور اوقاف** کے نظام کو مؤثر اور شفاف بنایا جائے تاکہ عوامی فلاح کے منصوبے بہتر طریقے سے چل سکیں۔
3. اسلامی ریاست کا ایک اہم مقصد **فکری و اخلاقی تربیت** ہے۔ لہٰذا تعلیمی نصاب میں اخلاقیات، سماجی ذمہ داری، اور اسلامی اصولوں پر مبنی تربیت کو مرکزی حیثیت دی جائے۔
4. ریاست کو چاہیے کہ **امیر و غریب کے درمیان فرق کم کرنے** کے لیے ایسی معاشی پالیسیاں اپنائے جو انصاف، شراکت داری، اور معاشی مساوات کو فروغ دیں—جیسے سود سے پاک مالیاتی نظام، روزگار کے مساوی مواقع، اور سوشل سیکیورٹی پروگرام۔
5. ریاستِ مدینہ کے اصولوں کے مطابق حکمران اور ریاستی ادارے **عوام کے سامنے جوابدہ** ہوں۔ ایک منصفانہ اور غیر جانبدار **احتسابی نظام** قائم کیا جائے جو انصاف، دیانت، اور شفافیت کی ضمانت دے۔